رشا

اُس شریر شخص کی کہانی، جس کا نام
کرشن چندر ہے۔ کرشن کے لفظوں کا ساز
سنیے۔ کرشن چندر کے لفظوں کا رقص دیکھیے
کرشن چندر کے ساتھ لفظوں کی جلوہ گاہ
میں چلیے اور کرشن چندر کی زندگی کی نما کیجیے

ایک لڑکی کی کہانی جسے "کرشن چندر" نے دیکھا

ایک دن من موہن سنگھ ہمیں لندن کی ہیرا منڈی دکھانے لے چلا۔ ایک بیس مینٹ سے گزار کر ہماری آنکھوں پر پٹی باندھ کے دو تین غلام گردشوں میں چلتے ہوئے کبھی چند نیچے اُوپر چڑھتے ہوئے ہم لندن کی ہیرا منڈی میں پہنچے جو پھر ایک بیس مینٹ میں واقع تھی اور میرے خیال میں اُسی بلڈنگ میں تھی۔ یہ آنکھوں پر پٹی باندھنا اور بھول بھلیوں سے گزارنا محض ایک سنسنی کی خاطر تھا یا آتشِ شوق کو ہوا دینے کے لیے یا الف لیلوی ماحول پیدا کرنے کے لیے۔ یہ چکر بازی پولیس سے بچنے کے لیے نہیں تھی۔ لندن کی پولیس کسی طرح ہمارے یا کسی دوسرے ملک کی پولیس کی طرح نہیں۔ اس دنیا کا کون سا ایسا قحبہ خانہ ہے جو پولیس کی نگاہوں سے بچا ہوا ہو؟ پولیس کی مصلحت آمیز گریز کے بغیر اس طرح کا کاروبار کہیں بھی نہیں چل سکتا۔

ہیروں کی اِس منڈی میں ایک دوسرے سے ملحق چھ کمرے تھے۔ اُن میں کوٹھے والیاں تھیں اور اُن کمروں کے باہر ایک نیم دائرے کی صورت

میں چھتا ہوا برآمدہ گھومتا تھا جس میں جابجا چوبی ستون کھڑے تھے۔ ایک پھول بازگجرے والا ایک عطر والا اور ایک پان والا بھی۔ یہ سبھی اسی برآمدے میں اپنی اپنی دکانیں سجائے بیٹھے تھے۔ کسی چھوٹے سے فلمی سیٹ کی طرح اس چھوٹی سی جگہ میں ایک ہندوستانی قصبہ بازار کا لندنی نقشہ پیش کرنے کی پرکشش کوشش کی گئی تھی اور تجارتی اعتبار سے کامیاب بھی تھی۔ من موہن نے مجھے بتایا کہ یہ کاروبار عبدالعزیز اور منسا رام ساجھے سے مل کر چلاتے ہیں۔ عبدالعزیز پاکستان کا رہنے والا تھا، منسا رام ہندوستان کا۔ اچانک میری نظر چار نمبر کے اندر جو پڑی تو میں اس کوٹھے والی کو پہچان کر اندر چلا گیا۔ چند لمحے تو ہم دونوں حیرت میں ڈوبے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر وہ کوٹھے والی اپنے سامنے رکھا ہوا ستار پرے سرکا کر اپنی جگہ سے اٹھی اور بھاگ کر میری طرف بڑھی اور میرے کندھے پر سر رکھ کر سسک سسک کے رونے لگی۔ اتنے زور زور سے کہ سب لوگ چونک کر ہماری طرف دیکھنے لگے۔

یہ درشنا تھی۔ میری..... کالج کے زمانے کی محبوبہ۔ میرا مطلب یہ ہے کہ وہ میری محبوبہ تھی، میں اس کا محبوب نہیں تھا کیونکہ میں ایک غریب متوسط گھرانے کا لڑکا تھا۔ تھی وہ بھی ایسی ہی، اُس کا باپ ایک معمولی وکیل تھا لیکن درشنا خوب صورت تھی اس لیے وہ بہت اونچا اڑنا چاہتی تھی اور اسی لیے وہ مجھے کبھی پسند نہیں کرنا چاہتی تھی۔ پسند تو میں بھی اُسے نہیں کرتا تھا لیکن وہ زمانہ ایسا تھا جب مجھے لمبے قد کی چوڑی چکلی ہنس مکھ لڑکیاں پسند آتی تھیں۔ ایسی لڑکیاں جو مجھ سے تن و توش میں کم سے کم دگنی ہوں۔ ایسا کیوں تھا کالج کے زمانے میں اور اب ایسا کیوں نہیں ہے؟ میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا لیکن اتنا جانتا ہوں کہ اُن دنوں کالج کے کچے زمانے میں ایسی ہی لڑکیاں پسند آتی تھیں۔ میں دل و جان سے درشنا پر فریفتہ ہو گیا تھا لیکن درشنا نے میرا پیار ٹھکراتے ہوئے کہا تھا "میں تو اُسی لڑکے سے محبت کر سکتی ہوں جو مجھے لندن لے جائے"۔ نہ جانے کیوں بچپن ہی سے درشنا کے دل میں لندن جانے کی تمنا تھی۔ وہ ہمیشہ لندن کے خواب دیکھا کرتی تھی اور میں اُسے لندن تو کجا لندھی کوتل تک نہیں لے جا سکتا تھا اس لیے محبت کے بازار میں میری مساعی مشکور نہ ہو سکیں۔ وہ قد میں مجھ سے تین انچ اونچی تھی اس لیے اُس کے دیکھنے کی سطح بھی مجھ سے اونچی تھی۔ وہ ٹینس کی بہت اچھی کھلاڑی تھی۔

ہمارا کالج اسکاٹش مشنریوں کا کالج تھا۔ درشنا کا اونچا لمبا قد، بے باک ہنسی، مغربی عورتوں کی طرح اُس کا تیز تیز چلنے کا انداز، گورا رنگ اور مضبوط بدن۔ اُسے آؤٹ ڈور گرل کی تمام صفات سے متصف کرتے تھے۔ اُس زمانے میں ایک آؤٹ ڈور گرل میرے نزدیک اعلا حسن کا معیار تھی۔ درشنا نے کبھی میری محبت کا جواب محبت سے نہیں دیا تھا، کبھی اُس نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں نہیں دیا، کبھی اپنا سر میرے کندھے پر نہیں رکھا اور وہ میرے ساتھ کبھی سینما نہیں گئی۔ کبھی اُس نے مجھے اپنا ہاتھ تک نہیں چومنے دیا، کبھی اپنی کمر میں ہاتھ ڈالنے کی اجازت نہیں دی چونکہ وہ لندن جانا چاہتی تھی اور میں اُسے لندن نہیں لے جا سکتا تھا۔

جن دنوں اُس نے یونیورسٹی کا میڈل جیتا تھا اور یونیورسٹی کی ساری کی ساری لڑکیوں میں ٹینس کے سنگل میچ میں اوّل آئی تھی، اُن دنوں ہمارے کالج کے پروفیسر میک فرسن صاحب نے درشنا کو چند ماہ کے لیے کالج کے خرچ پر ٹینس کے سلسلے میں مزید تربیت حاصل کرنے کے لیے انگلینڈ بھیجنے کا ارادہ کیا۔ شاید اُن دنوں درشنا لندن چلی بھی جاتی، اُس نے نئے کپڑے سلوا لیے تھے، پاسپورٹ بنوا لیا تھا، گھر والوں سے اجازت لے لی تھی لیکن عین وقت پہ نہ جانے کیا ہوا، درشنا کی جگہ مس ربقی رام لال چلی گئی۔ ربقی ایک کرسچین لڑکی تھی اور ٹینس کے کھیل میں درشنا کے بعد دوسرے نمبر پر آئی تھی۔ عین موقع پر پروفیسر میک فرسن نے درشنا کے سامنے ایک ایسی خواہش کا اظہار کر دیا جسے درشنا پورا نہ کر سکی لیکن جسے ربقی نے پورا کر دیا اس لیے ربقی چلی گئی لیکن اس بات کی تصدیق کبھی درشنا سے نہ ہو سکی۔ اصل واقعہ کیا تھا، یہ درشنا نے مجھے کبھی نہیں بتایا۔ اُس کے لندن نہ جانے پر میں نے طنز کیا تھا تو وہ دانت پیس کر بولی تھی۔ "دیکھ لینا، میں ایک دن ضرور جاؤں گی۔" اس پر میں دیر تک ہنستا رہا اور وہ غصّے میں ہونٹ چباتی رہی۔

دوسرے سال درشنا نے مشن کالج چھوڑ کر گورنمنٹ کالج میں داخلہ لے لیا۔ یہاں اُس کی دوستی انگریزی پڑھانے والے لیکچرر نوبت رام سے ہو گئی۔ نوبت رام کا تعلیمی ریکارڈ شان دار رہا تھا اور اب وہ ہندوستانی سول سروس میں آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ درشنا پر بُری طرح فریفتہ ہوا تھا۔ میں نے دیکھا ہے، جھینپے جھینپو دبو کر دو طبیعت کے لیکن علم و فضل میں اعلا معیار رکھنے والے نوجوان ہوتے ہیں، انھیں درشنا ایسی لڑکیاں بہت بھاتی ہیں۔ نوبت رام گھر کا امیر نہیں تھا لیکن ذہین ایسا تھا کہ اُس کا سول سروس کے امتحان میں کامیابی حاصل کر لینا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔

درشنا نے بہت سوچ سمجھ کے اُس سے شادی کا وعدہ کیا تھا۔ جب نوبت رام ہندوستانی سول سروس کے مقابلے میں بیٹھا تو دوسرے نمبر پر امتیازی شان سے کامیاب ہوا لیکن سول سرجن نے میڈیکل رپورٹ اُس کے خلاف دے دی اس لیے بے چارہ نوبت رام ایک طرف سول سروس، دوسری طرف درشنا سے شادی کرنے میں ناکام رہا۔

اُسی زمانے میں ایک دن درشنا مجھے ایکسل سیر تھیٹر کے لاؤنج میں مل گئی۔ وہ پکچر دیکھ کے نکل رہی تھی اور میں پکچر دیکھنے جا رہا تھا۔ چند لمحوں کے لیے ہم دونوں ملے تھے۔ میرا خیال ہے کہ وہ میری طنزیہ نگاہ کی تاب نہ لا کر

دوسری طرف مڑ گئی تھی اور مجھ سے کوئی بات کیے بغیر ہجوم میں غائب ہو گئی۔ مجھے دیکھ کر اُس کے چہرے پر جو جھینپ کا رنگ آیا تھا اُسے میں کبھی نہیں بھول سکتا۔

پھر بہت سے سال گزر گئے اور میں درشنا کو بھول گیا۔ کون کسے ہمیشہ یاد رکھتا ہے؟ اگر خدا نے انسان کو بھولنے کی قوت نہ دی ہوتی تو زندگی کا ہر لمحہ اُس کے لیے عذاب ہو جاتا اس لیے یہ قوتِ انتخاب انسان کو مل گئی ہے کہ وہ چند چیزیں ہمیشہ کے لیے بھلا دے اور کچھ چیزیں یاد رکھے جب تک یاد رکھنا اُس کی زندگی کے لیے ضروری ہے اور جب غیر ضروری ہو جائے تو انھیں بھی بھلا دے اور اگر پھر کسی وقت وہ ضروری امر ہو جائے تو پھر بھولی ہوئی چیز یاد آ جائے۔ یاد کا عمل بھی انسانی زندگی کی سب سے بڑی چوٹ ہے۔ میں چند ہی سالوں میں درشنا کو اس طرح بھول گیا جیسے وہ کبھی میری زندگی میں آئی ہی نہ تھی۔

پھر ایک دن میں نے اُسے بہت سالوں بعد اپنے دوست جیٹھانی کے کیبن میں دیکھا۔ جیٹھانی ایک مشہور بزنس مین تھا اور درشنا اُس کی اسٹینو تھی پرسنل اسٹینو۔ مجھے دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں پہچان کی ایک چمک نمودار ہوئی تھی لیکن پھر دوسرے ہی لمحے بجھ گئی۔ اُس نے مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا۔ میں نے دیکھا اُس کے چہرے پر ہلکی سی تلخی آ چکی تھی اور جب اُس نے مجھے نہیں پہچانا تو میں اُسے پہچاننے والا کون ہوتا ہوں اس لیے میں نے بھی اُسے پہچاننے سے انکار کر دیا اور اس طرح زندگی میں ہم دونوں پہلی بار اجنبیوں کی طرح ایک دوسرے کو ملے اور اُسے دیکھ کر میرا دل پہلی بار نہیں دھڑکا، وہ دل جو کبھی اُس کے قدموں کی چاپ سن کر تیز تیز دھڑکنے لگتا تھا اور اب میری پسند دوسری تھی اور دوسری طرح کی تھی اور اُسے دیکھ کر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کیوں اور کیسے اس طرح کی لڑکی کی محبت میں مبتلا ہوا تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ انسان کی محبت بھی اُس کی سُوجھ بُوجھ، اُس کی ذہنی سطح اور زندگی کے تجربے سے عبارت ہوتی ہے اور اگر زندگی کے کسی مرحلے پر اُس کی یہ سُوجھ بُوجھ ذہنی سطح اور تجربے کے انداز بدل جائیں تو اُس کی محبت بھی بدل جاتی ہے۔

بہت حیرت ہوئی یہ سوچ کر کہ محبت بھی کوئی انوکھی چیز نہیں ہے، ایک زمینی جان دار مخلوق ہے جو بدل سکتی ہے، جسے زخمی کیا جا سکتا ہے، جسے مارا بھی جا سکتا ہے، بھلایا بھی جا سکتا ہے۔ جس پر فخر بھی کیا جا سکتا ہے اور کبھی ایسی محبت بھی کی جا سکتی ہے جس پر شرمندہ بھی ہوا جا سکتا ہے۔ محبت ایک ذی روح شے ہے اور جان داروں کے سارے قوانین اُس پر عائد ہوتے ہیں۔

میں جیٹھانی کے ہاں اُس سے ایک سفارشی خط لینے آیا تھا۔ جیٹھانی نے درشنا کو بلا کر خط اُسے ٹائپ کرنے کو دیا۔ درشنا وہ خط ٹائپ کر کے لائی، جیٹھانی نے دستخط کیے۔ دستخط کرتے وقت میں نے دیکھا کہ ایک خاموش سمجھوتا اُن دونوں کے درمیان ہے، بظاہر وہ مالک تھا اور وہ ملازم تھی اور بظاہر میرے سامنے وہ دونوں انتہائی ضبط اور سلیقہ شعاری کا ثبوت دے رہے تھے لیکن میں نے دیکھ لیا اور سمجھ لیا کہ یہ رشتہ کس طرح کا ہے اور اس کی نوعیت کیا ہے۔ جیٹھانی کے چہرے کی مالکانہ رعونت اور رعونت کے ساتھ ساتھ ایک شفیق لیکن بالاتر شفقت کا احساس خفی رعونت کے ساتھ کہ تم ہم تو ہو لیکن ہم جو ہیں سو تم سے ذرا بلند ہیں اور جو سلوک ہم تم سے کرتے ہیں اُس میں ہماری محبت کے علاوہ ہماری مہربانی کو بھی دخل ہے، محبت اس رشتے میں تو یوں ہی داخل ہوتی ہے۔ ایک اسٹینو کی طرح ہاتھ میں کنٹریکٹ کا کاغذ لیے ہوئے جس پر کئی شرطیں ٹائپ شدہ ہیں "اگر تم یہ تو میں وہ" "اگر تم یوں تو میں دوں" اور "اگر یوں نہ ہو سکا تو وہ بھی نہ ہوگا" "اگر وہ ہو گیا تو یہ بھی ہو جائے گا ورنہ......." آخر میں "میں تصدیق کرتی ہوں کہ مجھے یہ شرائط منظور ہیں۔ دو درشنا" ادھر دستخط جیٹھانی کے اور یہ محبت کا پُرزہ ذہن کے صفحے پر لکھا ہوا ٹائپ کیا ہوا محبت نامے پر موجود رہتا ہے۔ غیر مشروط محبت کس نے کی ہے اور اگر کسی نے کی ہے تو بتا ہی نہیں، ناممکن — ناممکن۔ درشنا کی کھلی بے باک ہنسی غائب تھی اور نگاہیں بھی نیچی تھیں اور چہرے پر تلخی تھی جو چند بے صبر تجربوں کے بعد آتی ہے لیکن ابھی وہ ٹوٹی نہیں تھی۔ اُس کے چہرے پر ایک ایسے اعتماد کی جھلک تھی جسے چند ناکامیوں نے اور بھی گہرا کر دیا ہو۔ اُس کے جسم کی دل رُبائی سے کنوارپن کا الھڑپن غائب ہو گیا تھا۔ دیکھنے میں وہ اب بھی کنواری معلوم ہوتی تھی لیکن کسی قدر مردآشنا۔ جیٹھانی نے اُس خط پر دستخط کر کے مجھے پڑھنے کو دیا۔ میں نے پڑھ کر اُسے واپس کر دیا۔ "ہاں، یہ ٹھیک ہے۔"

جیٹھانی نے وہی خط درشنا کو دے کر کہا۔ "اسے لفافے میں ڈال کر لفافے پر پتہ لکھ کر صاحب کو دے دو۔"

درشنا خط لے کر چلی گئی، چند منٹ بعد واپس آئی، اُس نے ٹائپ شدہ لفافہ میری طرف بڑھا دیا، میں نے لے کر جیب میں ڈال لیا۔ گھر آ کر خط دوبارہ پڑھنے کے لیے میں نے جب لفافہ کھولا تو اُس سفارشی خط کے ساتھ درشنا کا بھی ایک خط تھا جس پر جلی ٹائپ میں صرف اتنا لکھا تھا۔

"میں لندن ضرور جاؤں گی۔ درشنا"

خط پڑھ کر میں مسکرا دیا۔ وہ لندن جائے یا نہ جائے، اب مجھے اُس سے کیا؟ پھر یہ خیال آیا کہ اُس کی روح کے اندر کہیں میری وہ طنزیہ ہنسی اور نگاہ پھنسی ہوئی ہے، مچھلی کے کانٹے کی طرح اور درشنا بالکل بے بس ہے، وہ اس کانٹے سے آزاد نہیں ہو سکتی۔ لندن جائے بنا اُس کی مُکتی نہیں ہو سکتی۔ مُکتی حاصل کرنے کے بھی کئی طریقے ہیں۔ مردوں اور عورتوں نے گزشتہ ہزاروں برسوں میں زندہ رہنا تو سیکھا نہیں پوری

طرح، ہاں مُکتی حاصل کرنے کے لیے کئی طریقے اپنائے ہیں۔ چنڈو پی کر، چالیس دن کا چلا کھینچ کر، پارلیمنٹ میں لگاتار پندرہ دن تک بول کر، یا زندگی بھر نہ بول کر، کانٹوں پر سو کر یا ٹوئسٹ ناچ کر یا چھ ماہ ایک ٹب میں نہائے بغیر پڑے رہ کر۔ اس دنیا میں مُکتی حاصل کرنے کے اتنے ہی طریقے ہیں جتنے لوگ ہیں، سمجھ میں نہیں آتا لوگ زندہ ہو کر زندگی بہتر بنانے کے بجائے زندگی سے مُکتی پانے کی کیوں سوچتے ہیں؟ مُکتی پا کر انھیں کیا مل جائے گا؟ نیکی، بدی، عذاب و ثواب، سزا و جزا کی دل کش شخصیت سے اوپر اُٹھ کر مُکتی کے اس خلائی ماحول میں انھیں کیا مل جائے گا۔ جہاں کسی لذت کا وجود نہیں، کسی گناہ کا ثبوت نہیں، کسی نیکی کی لطافت نہیں، کسی سزا کی ہلاکت نہیں، جہاں کسی تخلیق کا درد نہیں، کسی چاہت کی مسرّت نہیں، کسی کاوش کا جمال نہیں، کسی ناکامی کا ملال نہیں۔ نہ جانے آدمی، آدمی ہو کر پتھر بن جانے کی خواہش کیوں رکھتا ہے؟

لیکن درشنا کی خواہش تو ایسی کوئی خواہش نہیں ہے۔ وہ لندن جانا چاہتی ہے جیسے کوئی ماؤنٹ ایورسٹ پر چڑھنا چاہتا ہے اور کوئی چاند پر پہنچنا چاہتا ہے۔ اس میں کیا بُرائی ہے جناب! اور آپ شاید اس لیے جل رہے ہیں کہ یہاں آپ کا واسطہ ایک ایسی لڑکی سے پڑا ہے جو اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے آپ کی محبت بھی ٹھکرا سکتی ہے اور آپ اُس کا ٹھکرانا کبھی بھلا نہ سکے اسی لیے تو کبھی طنزیہ قہقہے لگاتے ہیں، کبھی شرربار نگاہوں سے اُسے گھورتے ہیں، کبھی بالکل اجنبی ہو کر اُس سے مخاطب ہوتے ہیں۔ ایک خاموش جنگ ہے جو اُس کے اور آپ کے درمیان چل رہی ہے۔ اس کے بجائے کہ آپ اُس کے عزم کی داد دیجیے، آپ اُس کے استوار وعدے سے ہراساں ہیں جو اُس نے اپنی شخصیت سے کیا ہے۔ ہر شخص اپنی زندگی میں کچھ وعدے کرتا ہے، اپنے آپ سے اور پھر ساری زندگی اُن کی تکمیل میں رہتا ہے، ایک سیدھی لکیر کی طرح نہیں بلکہ زندگی کی طویل تر پُرپیچ ٹیڑھی میڑھی لکیر کی طرح جو مختلف نشیب و فراز سے گزرتی ہوئی بظاہر بالکل بے معنی اور بے مقصد نظر آتے ہوئے بھی اپنے اندر کسی مخفی خواہش یا خواب کا اہتمام کرتی ہے۔ کسی بھی آدمی کو اُس کی ناکامی یا کامیابی سے نہیں پہچاننا چاہیے۔ عقل اور جذبات کی اس بحث میں تم کہاں ہو درشنا؟

میں نے بہت دیر باتیں کرنے کے بعد اُس سے سوال کیا۔ "اب جب کہ تم اپنی زندگی کی منزل پا چکی ہو یعنی لندن پہنچ چکی ہو لیکن ایک طوائف بن کر۔ تم نے کبھی یہ تو سوچا ہو گا کہ تمھیں اپنی منزل پر پہنچنے کے لیے کتنی بڑی قیمت دینی پڑی ہے؟"

"میں نے کبھی قیمت کا اندازہ نہیں کیا تھا۔" درشنا نے سوچ سوچ کر کہا، "کم از کم پہلے دنوں میں نہیں کیا تھا۔ جب میں یہاں پہنچی تھی تو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے کوئی چاند پر پہنچ جائے۔

"میں سمجھ سکتا ہوں۔"

"حالانکہ لندن نے بہت کنویں جھنکوا دیے مجھ سے، جیٹھا بھائی کو تم ملے تھے، وہ تمھارا دوست تھا، اُس نے مجھے اپنے ساتھ لندن لے جانے کا وعدہ کیا تھا لیکن راستے میں تہران ہی میں اُس نے مجھے اُتار دیا اور خود اکیلا لندن ہو آیا اور پھر واپسی میں اُس نے مجھے تہران سے لے لیا پھر دو اور تاجروں نے مجھے اسٹینو رکھا اور لندن لے جانے کا وعدہ کیا کیونکہ میں تو لندن جانے کے لیے بے تاب تھی اور ہر ناکامی میری روح میں اپنی منزل تک پہنچنے کی ناقابلِ بیان تڑپ پیدا کر دیتی تھی۔ اُن دنوں مجھے محسوس ہوتا تھا کہ لندن پہنچنے کی کوئی بھی قیمت ہو کم ہے۔ میں پھر اُن تاجروں کی باتوں میں آگئی لیکن وہ دونوں مجھے بمبئی سے آگے کہیں نہیں لے گئے۔ پھر میں ایک اسمگلر کے ہتھے چڑھ گئی۔ آنکھیں بند کر کے نہیں، جان بوجھ کر اور وہ مجھے لندن لے آیا لیکن لندن لانے سے پہلے اُس نے میرا خوب امتحان لیا۔ مجھے تین سال گجرات، کچھ اور راجستھان کے بارڈر پر اسمگلر کا کام کرنا پڑا اور بمبئی میں بھی۔ اگر میں تمھیں وہ سب واقعات سناؤں اور اگر وہ ثابت ہو جائیں تو مجھے اتنے عرصے جیل میں رہنا پڑے کہ میری زندگی اس کے لیے کم ثابت ہو لیکن میں نے بالکل پروا نہیں کی۔ میں لندن پہنچنے کے لیے اتنی بے تاب تھی کہ ہر بڑی سے بڑی قیمت ادا کرنے کو تیار تھی۔ اس کا بہت سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔"

"پھر تم اس حالت تک کیسے پہنچیں؟"

"اُس اسمگلر کو یکایک لندن سے بھاگنا پڑا، پولیس اُس کے پیچھے تھی، وقت اتنا کم تھا کہ وہ مجھے اطلاع نہ کر سکا۔ اس میں اُس کا بھی کچھ قصور نہیں۔ ہوٹل کا بل ادا نہیں ہوا تھا اور میں لندن میں اُس کے سوا کسی کو جانتی بھی نہیں تھی۔ وہ ایک دوسرے ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ مجھے اُس نے گریٹ رسل میں رکھا تھا، اپنی شرافت جتانے کے لیے۔ اُس کے یکایک بھاگ جانے پر میں بہت پریشان ہو گئی۔ چند دن اسی انتظار میں گزرے کہ وہ مجھے اطلاع دینے کی کوشش کرے گا لیکن جب اخباروں میں خبر آگئی کہ پولیس نے اُسے ہونولولو میں گرفتار کر لیا ہے تو ہوٹل والے میرے سر ہو گئے کہ بل ادا کرو۔ میں کہاں سے ادا کرتی؟ ہوٹل والوں نے مجھے پولیس میں دینے کی دھمکی دی۔ بھلا ہو میرا کمرہ دیکھنے والے ویٹر کا، اُس نے مجھے راہ سُجھائی کہ میں اگر بُرے راستے پر لگ جاؤں یعنی ٹھیک راستے پر لگ جاؤں تو مستقل طور پر اس ہوٹل میں قیام کر سکتی ہوں اور میرے ہوٹل کا بل بھی ادا ہو جائے گا اور لندن میں میرے مستقل قیام کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔ اُس وقت میں کیا کرتی؟ ناچار میں نے منظور کر لیا اور گریٹ رسل میں گویا لندن کے دل میں اس ہوٹل کے مخصوص اور امیر ترین گاہکوں کی دل داری کے لیے رہنے لگی۔ اس زندگی کی طرف یہ میرا دوسرا قدم تھا۔ پہلا قدم تو میں

انڈیا میں اُٹھا چکی تھی۔ گریٹ رسل سے اس انڈو پاک قحبہ خانے میں آنا کوئی بہت زیادہ حیرت خیز بات تو نہیں ہے جس پر تم یوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھ رہے ہو، دیکھ لو میں آخر لندن آگئی اور میں نے اپنا وعدہ تم سے پورا کر دیا۔" وہ اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

"اور اب کیا سوچتی ہو؟" میں نے اُس سے پوچھا۔

"اب میں سوچتی ہوں، اگر میں نے شروع ہی میں تمھارا کہا مان کر تم سے شادی کر لی ہوتی تو اچھا ہوتا۔ کہیں اچھا ہوتا۔" اُس نے سرد آہ بھر کر کہا۔

ایک لحظے کے لیے میرے دل میں اُس کے لیے نرم رومانی رحم کا جذبہ پیدا ہوا۔ میں اُسے پھر شادی کی دعوت دینے ہی والا تھا کہ وہ یکایک ایک تلخ بیزار کن قہقہہ لگاتے ہوئے بولی: "لیکن اب کون کرے گا مجھ سے شادی۔" اُس کا چہرہ پھیکا، تلخ، ایک زرد سی چٹان کی طرح بدنما نظر آنے لگا تھا۔ زبان جھوٹ بول سکتی ہے، ہونٹ جھوٹ بول سکتے ہیں، آنکھیں جھوٹ بول سکتی ہیں لیکن پورا چہرہ جھوٹ نہیں بول سکتا۔ درشنا لندن آنے سے پہلے اور لندن آنے کے بعد جن منزلوں سے گزرتی رہی تھی، وہ غبارِ راہ کی طرح اُس کے چہرے پر بکھری پڑی تھیں۔ اب یہ کسی کی بیوی کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ ہو بھی سکتا ہے لیکن اِس چہرے کی برسوں دھلائی کرنی پڑے گی۔ دھلائی، پونچھائی اور پالش۔ تب کہیں یہ چہرہ اس قابل ہو سکے گا کہ اس پر اُس گھریلو سکون اور اطمینان کے آثار نمودار ہوں جس سے اکثر گھر والیوں کے چہرے عبارت ہوتے ہیں لیکن اتنا وقت کہاں ہے میرے پاس؟ زندگی بہت مختصر ہے اور درشنا نے اپنی زندگی میں اتنا کوڑا کرکٹ بھر لیا ہے کہ اُسے صاف کرتے کرتے میری پوری زندگی صرف ہو جائے گی۔ نہیں جناب، یہ رومانیت مجھے بہت مہنگی پڑے گی۔ کہانیوں میں بہت اچھی لگتی ہے اس طرح کی جذباتیت لیکن میں بیسویں صدی کا آدمی ہوں جس کے عہد نے اُسے بتا دیا ہے کہ شاعروں کا چاند بھی ایک بنجر زمین سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ بہت جلد وہ لوگ چاند پر اتر جائیں گے، پھر اُس پر ہوائی اڈے قائم کریں گے۔ چاند کے ہوائی اڈوں سے کسی ملک پر کتنی آسانی سے بمباری ہو سکتی ہے، کتنی آسانی سے راکٹ پھینکے جا سکتے ہیں اور میں لگا رہوں گا درشنا کی غلیظ زندگی دھونے میں۔ بُشت۔ میں کوئی دھوبی نہیں ہوں۔ میں نے اپنی نوجوانی میں سچے دل سے درشنا کو ایک چانس دیا تھا اور اس دنیا میں کسی کو بس ایک ہی چانس ملتا ہے۔ اُس نے وہ چانس ٹھکرا دیا اور اب وہ لندن میں ہے اور وہ لندن آنا چاہتی تھی تو اب وہ خوش کیوں نہیں ہے؟

جس درشنا سے میں شادی کرنا چاہتا تھا، یہ وہ درشنا بھی نہیں ہے۔ خدا جانے یہ کون ہے؟ لوگ چاند پر میزائل فٹ کر رہے ہیں۔ کس کے پاس گندی زندگیاں دھونے کے لیے وقت ہے؟ چلو اپنے پھٹے پرانے چیتھڑوں میں حشر کے میدان میں چلے چلو۔ سامنے، آگے، پیچھے ہر جگہ ممکن ہے اور اس زمین پر جتنے خدا ہیں، سب قحبہ گر ہیں۔ پھر کون کس سے منصفی چاہے گا؟ آل رائٹ! اگر یہ سچ ہے کہ انسان اپنے خوابوں سے پہچانا جاتا ہے تو درشنا بے قصور ہے۔ اگر اُس نے لندن جانے کا خواب دیکھا تھا تو اس میں اُس کا کیا قصور اور کیا غلطی تھی؟ کوئی بھی پیرس، نیویارک، بمبئی، ریو ڈی جنیرو یا ٹوکیو جانے کا خواب دیکھ سکتا ہے۔ اس میں کون سی غلطی کی بات تھی؟ میں بتاتا ہوں تمھیں درشنا! تمھارا خواب بُرا نہیں تھا لیکن آخر تھا کیا خواب میں؟ لندن اگر تم کیا کرنا چاہتی تھیں؟ لندن تم کیوں آنا چاہتی تھیں؟ کوئی ایک شہر دوسرے شہر سے زیادہ مختلف نہیں ہوتا۔ صرف سڑکوں اور پارکوں کے نام مختلف ہوتے ہیں۔ بولنے والوں کے لباس اور اُن کی زبان مختلف ہوتی ہے مگر بھاؤ کرنے والوں اور خریدنے اور بکنے والوں کے ضمیر مختلف نہیں ہوتے۔ ہر آدمی کو اپنے خواب کا مکمل تانا بانا یاد رکھنا چاہیے ورنہ وہ کسی وقت بھی دھوکا کھا سکتا ہے کیونکہ جس عہد میں ہم رہتے ہیں، اُس کا ضمیر شکستہ ہو چکا ہے۔ وہ کسی ٹیکسی کے خراب میٹر کی طرح ہے، چلتا نہیں ہے، صحیح بھاؤ نہیں بتاتا ورنہ درشنا کو لندن پہنچنے کے لیے اپنا سب کچھ نہ لٹانا پڑتا۔

گڈ بائی درشنا! میری محبوب! ایک دن تم سے ہندوستان میں ملاقات ہوگی کسی سیلے ہوئے اسپتال کے گندے کمرے میں یا کسی اندھی گلی کی متعفن موری کے کنارے تم پڑی ہوگی۔ ہو سکتا ہے تم لندن ہی میں مر جاؤ اور کوئی تمھاری لاش کا دعوے دار تک نہ ملے کیونکہ کسی کو فرصت نہیں ہے۔ ہم چاند تک جا رہے ہیں۔

کرچیاں

نقش الرفیق کا تحفہ

وفاداری	ایک کا ساتھ دینا، دُوسرے سے دھوکا کرنا۔
یاد	اُن کی جن کی ضرورت پڑے۔
پڑوسی	سنگھار میز کا پاکٹ ایڈیشن۔
ایمان داری	پکڑے جانے کا خوف۔
دُولھا	زندہ جنازہ۔
پڑوسن	جسے آپ کے ذاتی معاملات آپ سے زیادہ معلوم ہوں۔
تجربہ	ماضی کی غلطیاں۔
اخبار	اشتہار، اغوا، قتل، حادثہ اور تقریر۔
امن	دو جنگوں کے درمیان خوف کا زمانہ۔